بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" والی روایت اسناد کے اعتبار سے خواہ کیسی ہی مجروح اور ضعیف ہو بہرحال اس میں شبہ نہیں کہ معنی کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے کیونکہ سلسلۂ نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد اگر کوئی جماعت بھی ایسی نہ ہو جو پیغمبرانہ طریق پر حق کی تبلیغ و اشاعت کرے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ خدا کی طرف سے لوگوں کو گمراہی سے نکال کر ہدایت کا صراطِ مستقیم دکھانے کا جو کام تاریخ کے ہر دور میں انجام پاتا رہا ہے وہ رک جائے اور جو گمراہ ہو گئے ہیں ان کو اسی حالت میں رہنے دیا جائے۔

پھر چونکہ انبیائے کرام نے کلمۂ حق کی تبلیغ علم اور عمل دونوں سے کی ہے اس بنا پر اب اساساً دو سوال قابلِ غور ہیں۔ ایک یہ کہ انبیائے کرام خود کیسے ہوتے تھے۔ اور دوسرا یہ کہ وہ حق کا پیغام لوگوں تک کس طرح پہنچاتے تھے۔ جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے ہر شخص جانتا ہے کہ انبیائے کرام کی زندگی نہایت پاکبازانہ اور متقیانہ ہوتی تھی۔ ان کا ظاہر و باطن یکساں ہوتا تھا اور ان کی خارجی اور داخلی زندگی میں کوئی فرق اور امتیاز نہ ہوتا تھا۔ لیکن انبیائے کرام کی زندگی کے عملی پہلو سے متعلق ہمیں جس چیز کو زیادہ نمایاں کرنا ہے وہ یہ ہے کہ انبیائے کرام عوام کے ساتھ بے تکلفی سے ملتے جلتے اور ان کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے۔ ان کی زندگی کا ہر سانس تبلیغ کے لئے وقف تھا۔ یہانتک کہ ان کی نشست و برخاست اور ان کا سونا اور جاگنا اور ان کا کھانا اور پینا یہ سب چیزیں اپنے اندر ایک مستقل دعوتِ حق رکھتی تھیں۔ پھر اس سلسلہ میں ایک بڑی اہم بات یہ ہے کہ انبیائے کرام نے اپنی دعوت کے لئے کبھی کوئی اجر یا معاوضہ نہیں قبول کیا۔ خود درویشانہ زندگی بسر کی مگر دوسروں کو افسر و اورنگ کا مالک بنا دیا۔ جب کبھی ان کے سامنے اس قسم کا کوئی سوال آیا تو انھوں نے بے تامل یہی فرمایا "اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ" یعنی میرا اجر تو صرف خدا کے ذمہ ہے"۔

اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جن علمائے اسلام کو وراثتِ نبوت کا شرف حاصل ہو

انھیں لازمی طور پر انبیائے کرام کے اسی نقش قدم پر چلنا چاہئے یعنی یہ کہ ان کی زندگی ورع وتقوی کی مثال ہو۔ ان کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔ اربابِ دنیا اور اصحابِ ثروت سے ان کو کامل استغنا ہو وہ کسی غیر اسلامی نظامِ حکومت وریاست کے (چاہے وہ حکومت وریاست مسلمان ہی کیوں نہ کہلاتی ہو) نہ نوکر ہوں اور نہ وظیفہ خوار ہوں۔ اربابِ دولت ان کے پاس آئیں لیکن وہ خود کبھی کسی رئیس یا دولت مند کے مکان پر نہ جائیں۔ یہاں سوال جائز اور ناجائز، مباح اور غیر مباح کا نہیں ہے مقصد صرف یہ ہے کہ وارثین نبوت کا کیرکٹر عام ضابطۂ اخلاق واحکام سے بھی بہت اونچا ہونا چاہئے کوئی شخص کلمۂ حق کے اظہار میں خواہ کتنا ہی بیباک ہو۔ پھر بھی کسی مادی طاقت کی نوکری کرنے یا اس کے وظیفہ خوار ہونے سے یک گونہ مداہنت فی الدین کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان چیزوں سے جو آج کل عام ہو گئی ہیں ہمارے علمائے سلف بڑی سختی سے دامن کشاں رہتے تھے۔ مولانا رومی نے اپنے ملفوظات "فیہ ما فیہ" میں اور علامہ ابن عبد البر نے "جامع بیان العلم" میں اور علامہ ابن جوزی نے اپنے ملفوظات خواطر و سوانح میں ان کی شدید مذمت کی ہے۔ آج کل اس قسم کی چیزوں کے لئے عام طور پر بہانہ یہ کیا جاتا ہے کہ ہم تو امراء سے یہ معاملہ اس لئے رکھتے ہیں کہ اس ذریعہ سے کچھ غریبوں کی مدد کر سکیں۔ لیکن ان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سراسر نفس کا فریب اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ چنانچہ حضرت سفیان الثوری نے حضرت عباد بن عباد کو اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں صاف طور پر لکھا ہے "ایاك والامراء ان تدنو منهم او تخالطهم فی شیٔ من الاشیاء وایاك ان تخدع ویقال لك لتشفع وتدرء من مظلوم اوترد مظلمہ فان ذالك خدیعتہ ابلیس" تم امیروں کے قریب جانے یا کسی معاملہ میں ان کے ساتھ میل جول رکھنے سے بچو۔ اور اس سے بچو کہ تم کو یہ کہکر دھوکہ دیا جائے کہ تم امیروں کے پاس اس لئے جاتے ہو کہ کسی کی سفارش کروگے کسی مظلوم کی طرف سے مدافعت کروگے یا کسی کا حق اسے دلواؤگے۔ کیونکہ یہ سب باتیں شیطان کا دھوکہ ہیں۔

مسند امام احمد بن حنبل، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی کی ایک حدیث بروایت حضرت عبداللہ بن عباس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من اتی ابواب السلاطین افتتن"

جو شخص بادشاہوں کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوا فتنہ میں پڑ گیا۔ ابو داؤد کی ایک اور روایت حضرت ابوہریرہؓ کے واسطہ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ما ازداد احد من السلطان دنوا الا ازداد من اللہ بعدا" جو شخص بادشاہ سے جتنا زیادہ قریب ہوتا ہے اسی قدر وہ اللہ سے دور ہوجاتا ہے ابن ماجہ کی ایک روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو دین میں تفقہ رکھتے ہوں گے۔ قرآن پڑھتے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہم امراء کے پاس آتے جاتے ہیں اور اس طرح ہم ان کی دنیا سے کچھ حصہ پا لیتے ہیں لیکن ہمارا دین محفوظ رہتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ جس طرح کیکر کے پاس جانے سے کانٹے ہی ملتے ہیں اسی طرح امراء کے پاس جانے سے صرف خطایا ہی حاصل ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک تو یہاں تک فرماتے تھے کہ جو شخص امراء کے پاس جا کر انھیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے وہ ہمارے نزدیک دراصل آمر اور ناہی ہے ہی نہیں۔ اصل آمر و ناہی تو وہ ہی ہے جو ان سے الگ رہ کر انھیں امر و نہی کرے۔

آج یہ بات بہت معمولی سمجھی جائے گی لیکن سچ یہ ہے کہ کلمۂ حق کو موثر بنانے میں اس کا بہت بڑا دخل ہے اور اسی وجہ سے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا ہمارے علمائے سلف اس کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کے اہتمام و انتظام سے متعلق جو وصیت نامہ تحریر فرمایا تھا اس میں بھی ان چیزوں سے بچے رہنے کی بڑی سخت تاکید ہے۔ چنانچہ قطع نظر اس سے کہ ذاتی اور شخصی طور پر یہاں کے بعض علماء نے کیا کچھ کیا۔ بہرحال جہاں تک مدرسہ کا تعلق ہے گورنمنٹ آف انڈیا کی بڑی خواہش اور کوشش کے باوجود اکابر دیوبند نے گورنمنٹ کی مالی امداد قبول کرنے سے ہمیشہ انکار کیا اور جہاں تک گورنمنٹ آف انڈیا کا تعلق ہے مدرسہ اب تک اس پر عامل ہے۔ ہمیں بنیادی طور پر یہ بات خوب ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ایک عالم دین بہت بڑا مدرس فقیہ اور صاحب کمال مصنف اور اپنے تقویٰ و طہارت کے باعث ہمارے لئے قابل صد احترام شخصیت کا مالک بھی ہوسکتا ہے لیکن اگر اس میں امراء اور رؤسا سے کامل استغناء اور بے نیازی نہیں ہے تو وہ سب کچھ ہونے کے باوصف نبوت کی جانشینی کے مقام کا ہرگز اہل نہیں ہے اور ہمیں کبھی اس کو اس نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے۔

اب رہا دوسرا سوال یعنی یہ کہ انبیائے کرام کا طریق دعوت و تبلیغ کیا تھا؟ تو اسلامیات کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اس سلسلہ میں انبیائے کرام کے کام کی حسب ذیل خصوصیات رہی ہیں۔

(۱) انھوں نے اپنی قوم کی زبان میں گفتگو کی۔ اور ان کا کلام قوم کے ہی اندازِ فکر و اسلوبِ فہم کے مطابق ہوتا تھا۔

(۲) قوم کو کلمۂ حق کے ماننے میں جن شکوک و شبہات کی وجہ سے تامل ہوتا تھا انبیائے کرام ان کو بطریق حسن دلائل و براہین کے ذریعہ دور کرتے تھے۔

(۳) قوم میں جو عاداتِ بد اور رسوم قبیحہ سب سے زیادہ نمایاں ہوتی تھیں انبیائے کرام کی توجہ زیادہ تر انھیں کی طرف ہوتی تھی۔

(۴) قوم اگر کسی باطل اور شیطانی حکومت کے استیلا کا شکار ہوتی تھی تو انبیائے کرام قوم کو اس لعنت سے آزاد کراتے تھے اور اس مقصد کے لئے جنگ کرتے تھے۔

(۵) قوم میں سرکشی اور احکام خداوندی سے بغاوت و عدوان جن اسباب سے پیدا ہوتے تھے۔ انبیائے کرام ان اسباب کا قلع قمع کرتے تھے یعنی یہ گمراہی اگر فکر و نظر کی راہ سے آتی تھی تو وہ فکر و نظر کی خامکاریاں آشکارا کرکے ان کی اصلاح کرتے تھے اور اگر اس گمراہی کا سبب ان کا جسمانی اور مادی تفوق اور اسبابِ معیشت و عشرت کی فراوانی کے باعث ان کا غرور و تکبر ہوتا تھا تو انبیائے کرام عذاب الہٰی کے ذریعہ یا ایک جماعت کو ان چیزوں میں ان کا ہمسر و حریف بنا کر اس قوم کی سرکشی کا خاتمہ کردیتے تھے۔

(۶) اپنے وقت کے تمام موثر اور جائز ذرائع سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ انبیائے کرام کے معجزات وقت کے تقاضہ سے ہم آہنگ ہوتے تھے اور قوم کے لئے جس طریقہ سے بھی کلمۂ حق قابلِ قبول ہوسکتا تھا وہ اس طریقہ کو اختیار کرتے تھے۔

(۷) دین کے احکام الاقدم فالاقدم کے اصول کو پیشِ نظر رکھکر لوگوں تک تدریجی طور پر پہنچاتے تھے یعنی شروع شروع میں ایمان باللہ اور ایمان بیوم الآخرت کی دعوت دیتے تھے اور جب کوئی شخص اسے قبول

کرلیتا تھا تو پھر باری باری سے دوسرے احکام و مسائل بتائے جاتے تھے. گویا ایک نبی بالکل ایک طبیب حاذق و ماہر کی طرح اصل مرض کا سراغ لگاتا تھا اور پھر مزاج اور طبیعت کی مختلف کیفیات کو سامنے رکھکر مرض کا علاج کرتا تھا۔ مرض جس طرح بنیادی طور پر ایک ہی ہوتا تھا مگر اس کا ظہور مختلف مریضوں میں مختلف شکلوں میں ہوتا تھا اسی طرح ان کے لئے جو نسخہ تجویز کیا جاتا تھا وہ بھی اساسی طور پر ایک ہی ہوتا تھا لیکن ہر مریض کے مختلف حالات کے پیش نظر نسخہ کے اجزا ر کی ترتیب الگ الگ ہوتی تھی۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ	تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی
يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	طرف بلائے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرے
وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔	اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اس ارشادِ ربانی کے مطابق اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کو پیش نظر رکھکر غور کیجئے کہ آج دنیا جن گمراہیوں میں مبتلا ہے ان کا استیصال کرنے اور کلمۂ حق کو فروغ دینے کے لئے ہمیں ایک ایسی جماعت پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے جو پیغمبرانہ طریق کار پر اسلام کی تبلیغ کرے اور دنیا کے ہر گوشہ میں پیغام حق کی منادی کرے. اس جماعت کو قائم کرنے کے لئے ایک مختصر سا پروگرام اس طرح بنایا جا سکتا ہے

(۱) ایک درسگاہ قائم کی جائے جس میں طلبا کی تعداد بہت محدود ہو۔ ان طلبار کا انتخاب مدارسِ عربیہ اور انگریزی کی قومی تعلیم گاہیں دونوں سے ہو سکتا ہے۔

(۲) ان طلبا سے عہد لیا جائے کہ وہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد نہ کوئی ملازمت کریں گے، نہ کسی ریاست کا وظیفہ قبول کریں گے نہ امرار اور رؤسا سے نذر لانے اور تحائف لیں گے اور ان کی زندگی اتباعِ سنت کا نمونہ ہوگی۔

(۳) ان طلبار کو اسلامی علوم و فنون پڑھائے جائیں گے اور ساتھ ہی کوئی غیر ملکی زبان انگریزی، جرمنی،

(باقی مضمون صفحہ ۲۵۶ پر ملاحظہ فرمائیے)